اندلس میں عربی ادب

بلاک 4: اندلس میں تجدیدی فنون

اکائی 1: تجدیدی وتوسیعی شعری فنون (موشحہ، زجل، طبیعہ اور حنین)

اکائی کے اجزاء:

1- آغاز وتمہید
2- غرض ومقصد
3- وادیٔ مغرب میں اذانِ اسلام
4- اندلس میں شعروشاعری
5- اندلس میں توسیعی وتجدیدی شعری فنون
6- فن موشحات
7- موشحات کے مختلف بند
8- اجزاءِ موشحات
9- فن ازجال
10- ازجال کی نشوونما کے مراحل
11- ازجال کے موضوعات
12- فن طبیعہ
13- طبیعہ کے چند گوشے
14- شعرطبیعہ کی خصوصیات
15- فن حنین
16- حنینِ وطن اور انسانی فطرت
17- عبدالرحمٰن اول اور دیگر شعراء کا شوقِ وطن
18- اکائی کا خلاصہ
19- نمونہ کے امتحانی سوالات
20- فرہنگِ اکائی
21- مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اندلس میں عربی ادب

بلاک 4: اندلس میں تجدیدی فنون

اکائی 1: تجدیدی وتوسیعی شعری فنون (موشحہ، زجل، طبیعہ اور حنین)

آغاز وتمہید

عربی شاعری، عربی زبان وادب کی سب سے پہلی شکل ہے۔ اس کا سب سے پہلا نمونہ چھٹی صدی عیسوی میں ملتا ہے مگر زبانی شاعری اس سے بھی قدیم ہے۔ عربی شاعری، اس کی صحیح تعریف اور اس کے اجزاء میں محققین کا خاصا اختلاف رہا ہے۔ مشہور لغوی ابن منظور کے مطابق شعر وہ منظوم کلام ہے جو وزن اور قافیہ میں مقید ہو، وہ آگے لکھتے ہیں کہ شعر منظوم اور موزوں کلام کا نام ہے جس کی ترکیب مضبوط ہو اور شعر کہنے کا قصد بھی پایا جاتا ہو۔ اگر ایک بھی شرط فوت ہوئی تو شعر نہیں کہلائے گا اور اس کے کہنے والے کو شاعر نہیں کہا جائے گا۔ اسی لیے قرآن وحدیث میں جو موزوں کلام ملتا ہے وہ قصد وارادہ کے فقدان کی وجہ سے شعر نہیں کہلاتا۔ ابن منظور اس کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شعر میں شعری احساس کا پایا جانا ضروری ہے اور یہ احساس بالارادہ اور دانستہ ہو تب ہی اس کلام کو شعر سمجھا جائے گا۔ اسی بنا پر شعر کے چار ارکان ہیں: معنی، وزن، قافیہ اور قصد۔

ظہور اسلام سے قبل جو بھی شاعری کی گئی اس کو جاہلیت سے تعبیر کیا گیا۔ دورِ جاہلیت کا مشہور مقولہ ہے: "الشعر دیوان العرب" (ترجمہ: شاعری عرب کی کھتونی ہے) اور یہ درحقیقت صحیح بھی ہے، چونکہ ان کا سارا علم شاعری پر محیط تھا، ان کے یہاں شاعری سے بڑھ کر علم، سرداری اور عزت وافتخار کا اور کوئی پیمانہ نہیں تھا۔ کسی کو باعزت کرنا ہو تو اس کی شان میں مدحیہ قصیدہ لکھتے اور ذلیل کرنا ہو تو اس کی ہجو کرتے۔ نیز یہ شعراء جس کو ذلیل کر دیتے پھر اس کی عزت خاک میں مل جاتی اور جس کی تعریف کر دیتے وہ عزت وناموری کی بلندیوں اور اوجِ ثریا پر پہنچ جاتا۔

غرض ومقصد

جزیرہ نما آئیبریا، اسلامی اندلس پر مسلمانوں نے تقریباً ساڑھے آٹھ صدیوں (850 سال) تک حکومت کی، اور بڑے کروفر اور شان وشوکت کے ساتھ فرمانروائی کی، چونکہ یہ سب خالص عرب اور کچھ بربر تھے، اس لیے وہ اپنی تمام عربی، تمدنی اور لسانی خصوصیات کے ساتھ اندلس کی مرغزار وادیوں کے مکین بنے، یہاں انہوں نے جس طرح ملک کی ہمہ جہت تعمیری وانتظامی ترقیوں میں لازوال نقوش چھوڑے، اسی طرح اپنی عربی شعر وشاعری کو بھی زندہ رکھا، بلکہ مزید اس کے نوک وپلک سنوارے، یہی نہیں بلکہ مختلف نئی

جہتوں اور صنفوں کا اس میں اضافہ بھی کیا کہ آج عربی زبان وادب کا مؤرخ اندلسی ادب (نثر ونظم) کے بغیر عربی ادب کی تاریخ مرتب نہیں کرسکتا، بلکہ وہ فخر واعتزاز کے ساتھ اس اہم باب کو ضرور قلمبند کرتا ہے۔

اس اکائی سے اسلامی اندلس میں شعروشاعری بالخصوص تجدیدی وتوسیعی شعری فنون (موشحہ، زجل، طبیعہ، حنین) کی خوبیوں اور اندلسی شعراء کی تخلیقی شعری اوصاف سے ہم واقف ہوں گے، اور معلوم ہوگا کہ اہل اندلس نے نہ صرف یہ کہ قدیم روایتی عربی شاعری کو باقی رکھا بلکہ اس کو مزیدنت نئے جواہر سے آراستہ کیا، اور اس باب میں ایسے نقوش چھوڑے کہ دنیا ہمیشہ ان کے گن گاتی رہے گی۔

وادیٔ مغرب میں اذانِ اسلام

دین اسلام کا آفتابِ اقبال عرب کی گھاٹی سے نکلا، اور اس کی کرنوں سے عرب کے آس پاس کی ساسانی ورومی حکومتوں کے جاہ وجلال کے ستاروں کی روشنی جھلملانے لگی، دو جہتوں کی دو گھنگھور گھٹاؤں نے نور کی ان کرنوں کو ماند کرنا چاہا، مگر وعدۂ ربانی کو پورا ہونا تھا، ان کرنوں کی روشنی پھیلی، اور پھیلتی چلی گئی، ایران کا غبار آلود مطلع صاف ہوگیا، اور وادیٔ نیل کی فضا بھی رومی گرد وغبار سے پاک ہوگئی، تختِ کسریٰ کے الٹتے ہی ایرانی قوت کا تو خاتمہ ہوگیا، مگر رومی سلطنت کی سطوت کچھ دنوں اپنے قدم جمائے رہی۔

عہد رسالت، عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں اسلامی افواج نے دنیا کے اہم خطوں پر اسلام کے پھریرے لہرائے، اور ہر جگہ کلمہ گویانِ توحید زمزمہ سنج نظر آنے لگے۔ اندلس کی زرخیز وسرسبز سرزمین پر شتربان عربوں نے سمندر کی تلاطم خیز موجوں سے کھیلتے ہوئے پہلی مرتبہ عہد عثمانی میں قدم رکھا، پھر طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر جیسے جانباز مجاہدوں نے یہاں فتح وظفر کے اسلامی پرچم لہرائے، عربوں اور بربریوں کے مختلف قبیلوں نے یہاں کی شاداب وادیوں میں توطن پذیر ہوکر اس کے ایک وسیع خطہ کو اسلامی مملکت کا جزء بنایا، پھر چشم عالم نے یہ نیرنگی بھی دیکھی کہ حکومت بنوامیہ کا آفتابِ اقبال مشرق میں غروب ہوکر مغرب سے طلوع ہوا، اور موجودہ اسپین، پرتگال، اور نصف فرانس کے علاقے اسلامی حدودِ حکومت کے مدتوں زیرنگیں رہے، اور اندلس میں مسلمانوں کی علمی، تمدنی، ثقافتی اور روحانی ترقیوں کی جو شمعیں روشن ہوئیں، ان سے ایک عالم نے روشنی حاصل کی، اور یورپ کے نئے علوم وفنون اور تمدن وثقافت کے مینارے ان ہی بنیادوں اور اصول پر قائم ہوئے۔

اندلس میں شعروشاعری

مسلمان افواج طارق بن زیاد سے بہت پہلے 27ھ میں اندلس کی سرزمین پر عہد عثمانی ہی میں قدم رکھ چکی تھیں تو پھر یہاں کی فضاؤں میں اولین عربی اشعار بھی اسی زمانے میں گنگنائے گئے ہوں گے۔ بعدازاں طارق بن زیادہ اور موسیٰ بن نصیر کے ساتھ اندلس میں عربوں کی آمد اور پھر ان کے نسلی وگروہی تعصّبات کے ہنگاموں میں، ممکن نہیں کہ یادِ ماضی اور فخر ومباہات کے جذبات واحساسات کو شعر کی زبان میں ادا نہ کیا گیا ہو۔ لیکن ان ابتدائی ادوار کی رجز خوانی ہو یا غزل سرائی، سب ہواؤں میں تحلیل ہوچکی ہے۔ شاید اس لیے کہ یہ ادوار ایسی عملی کشاکش سے عبارت تھے جس میں ادبی آثار کی حفاظت کا اہتمام ممکن نہ تھا۔

سرزمین اندلس میں تخلیق ہونے والی عربی شاعری کا اولین قابل ذکر نمونہ، جو محفوظ رہ سکا ہے، وہ غالباً صقر قریش عبدالرحمٰن الداخل (متوفی 172ھ/ 788ء) کے بعض اشعار ہیں جو انہوں نے ایک کھجور کے درخت کو دیکھ کر شوقِ وطن میں کہے ہیں۔

اس طرح اندلس کے اموی حکمرانوں میں عبدالرحمٰن الداخل کا یہ ذوقِ شعری نسل در نسل ظہور کرتا رہا۔ ابن الابّار نے ان کے بیٹے ہشام اور پوتے الحکم کے اشعار نقل کیے ہیں۔ ان کا پڑپوتا عبدالرحمٰن الاوسط شعر وادب اور فنون لطیفہ سے گہری دلچسپی رکھتا تھا اور گاہے گاہے خود بھی شعر کہتا تھا۔ مشہور مغنی زریاب اسی کے دربار سے وابستہ تھا۔ اسی کی زیر سرپرستی یحییٰ بن الحکم الغزال جیسا شاعر ابھرا جس کے بارے میں روایت ہے کہ اس نے ایک مرتبہ اہل بغداد کو اپنے چند شعر یہ کہہ کر سنا دیے کہ یہ ابونواس کے شعر ہیں تو کسی کو اس پر شک تک نہ گزرا۔ الغزال نے اندلس کی منظوم تاریخ بھی لکھی۔ شاعر ہونے کے علاوہ وہ بڑی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی تھا، اور عبدالرحمٰن الاوسط اس سے سفارتی کام بھی لیتا تھا۔ عبدالرحمٰن کے درباری شعراء میں عبداللہ بن الشمر کا نام بھی بہت نمایاں ہے۔

شاعری کا یہ ذوق رفتہ رفتہ اندلسی ثقافت کی رگ وپے میں سرایت کر گیا۔ صاحبان اقتدار خود شعر کہتے تھے اور شعراء کی سرپرستی کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ عربی شاعری اہل اندلس کی گھٹی میں پڑ گئی اور امیر وفقیر، شاہ وگدا، خواص وعوام سبھی سخن گوئی وسخن فہمی میں شریک ہو گئے۔ اس صورتحال کا اظہار کرنے کے لیے نکلسن نے قزوینی کی "آثار البلاد" کا ایک دلچسپ حوالہ دیا ہے۔ قزوینی کے ہاں یہ اقتباس ''شلب'' کے تحت آیا ہے جس کے بارے میں اس نے وضاحت کی ہے کہ باجہ کے قریب اندلس کا ایک شہر ہے۔ اصل عبارت یوں ہے:

"من عجائبها ما ذكره خلق لايحصي عددهم انه قل ان يرى من أهل شلب من لا يقول شعراً ولا يتعانى الأدب ولو مررت بالحراث خلف فدانه و سالته الشعر لقرض في ساعته أي معنى اقترحت عليه وأي معنى طلبت منه صحيحاً".

ترجمہ: یہاں کے عجائب میں سے ایک جس کا ذکر لاتعداد لوگوں نے کیا ہے، یہ ہے کہ اہل شلب میں خال خال ہی کوئی ہوگا جو شعر نہ کہتا ہو اور ادب سے شغف نہ رکھتا ہو۔ تم اگر کسی ہل چلاتے ہوئے کسان کے پاس سے بھی گزرو اور اس سے شعر کی فرمائش کرو تو وہ فی الفور کسی بھی موضوع پر جو تم اسے تجویز کر دو یا کسی بھی مضمون پر جو تم اس سے طلب کرو، ٹھیک ٹھیک شعر کہہ دے گا۔

ایسی صورتِ حال میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ سرزمین اندلس میں شعر وشاعری اسی طرح پروان چڑھتی رہی جس طرح وہ جزیرۂ عرب میں برگ وبار لائی تھی، اور اس نے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا۔ مجموعی طور پر سرزمین اندلس کی شاعری، بلادِ مشرق میں ہونے والی عربی شاعری ہی کا عکس جمیل تھی۔ شعر کے جو سانچے دورِ جاہلیت میں متعین ہو چکے تھے، ان میں سے بیشتر قرطبہ واشبیلیہ میں بھی اسی طرح غالب ورائج رہے جس طرح بغداد ودمشق میں تھے۔ روایت کی آہنی گرفت کو جو لفظ سے گزر کر مضامین ومعانی پر بھی اثر انداز ہوئی اور جس نے صدیوں تک عربی شاعری میں تازگیٔ احساس کو دَر آنے کا کم سے کم موقع دیا، ابداعی ذہنوں نے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ محبوب کے اجڑے ہوئے دیار پر کھڑے ہو کر اشک باری کا مضمون جو امراؤالقیس کے " قفا نبك " سے شروع ہوا تھا، وہ بعد کے شعراء کے لیے ایک فریضہ مفروضہ بن کر رہ گیا، اور اسی لہجہ واسلوب میں ہر جگہ شاعری ہوتی رہی۔

اندلسی ادب کے مؤرخین نے اندلس کے ادبی ادوار کی تقسیم کچھ اس طرح کی ہے:

1-عصر فتح : 92ھ-95ھ

2-عصر ولاۃ : 95ھ-138ھ

3-عصر امارت : 138ھ-300ھ

4-عصر خلافت : 300ھ-422ھ

5-عصر طوائف : 422ھ-484ھ

6-عصر مرابطون : 484ھ-520ھ

7-عصر موحدون : 520ھ-620ھ

8-عصر بنواحمر : 620ھ-897ھ

اس کے بعد عیسائیوں کے ہاتھوں اسلامی سلطنت کا چراغ بجھ گیا، اور اب تک وہ انہیں کے زیر نگیں ہے۔

اندلس میں تجدیدی وتوسیعی شعری فنون

اندلس کی عربی شاعری میں بیشتر اصناف سخن وہی پائے جاتے ہیں جو اس سے قبل عربوں کی شاعری میں رائج تھے، مگر اسی کے ساتھ اہل اندلس میں خلاّق طبیعتوں نے روایت سے ہٹ کر بھی شاعری کی نئی قسمیں ایجاد کیں۔ ان کی طبیعت کی اُپج تازہ کاری سے یکسر عاری نہ رہی اور انھوں نے روایتی طور پر بنی بنائی شاہراہوں سے ہٹ کر اظہار کی نئی راہیں اور ہیئت واسلوب کی نئی پگڈنڈیاں بھی نکالیں۔ اور اس میں وہ اس قدر آگے بڑھے کہ منافست کی صورت سامنے آ گئی۔ اور اندلس کے شعراء کو بلادِ عرب کے شعراء کے مقابلے میں کھڑا کیا گیا اور انہی کے القاب وکنیتوں سے یاد کیا گیا۔ چنانچہ ابن زیدون کو بُحتری اور ابن ہانی کو متنبّی قرار دیا گیا اور ان لوگوں نے اپنے مسلک شعری میں شعرائے عباسی کی پیروی بھی کی۔ مدح، ہجو، مرثیہ، فخر وحماسہ، خمریات، تغزّل اور منظر نگاری وغیرہ اصنافِ مشرق یہاں بھی اختیار کی گئیں۔ تاہم اہل اندلس کی زبان اہل مشرق کی طرح محکم نہ تھی اور اکثر قدیم اصناف میں اندلسی شعراء کا کلام ان کے کلامِ کا ہم پلہ نہ تھا۔ ہاں بعض اصناف مثلاً مناظر فطرت اور طبیعہ وحنین کا بیان، اور مملکتوں کے زوال کا مرثیہ ایسے ہیں جن میں اندلسیوں نے اپنا خاص رنگ وآہنگ پیدا کیا اور اہل مشرق پر وہ بازی لے گئے۔

فن موشحات

''موشّحہ'' لوک شاعری کی ان اصناف میں ہے جنہیں اہل اندلس نے اختراع کیا۔ ہر چند کہ بعض اوقات موشحات کا رشتہ ''مسمط'' سے جوڑا جاتا ہے جس کی ایک مثال امرؤالقیس کے کلام میں بتائی جاتی ہے۔ نیز ایک ''موشّحہ'' کی نشاندہی ابن المعتز کے دیوان میں بھی کی جاتی ہے لیکن یہ مثالیں تحقیقی اعتبار سے محل نظر ہیں۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ صنف اندلس میں ہی پیدا ہوئی جہاں موشحات کا موجد مقدّم بن معافیٰ القبری کو قرار دیا جاتا ہے جو امیر ابوعبداللہ بن محمد المروانی کے دربار کا نابینا شاعر تھا۔ پھر ''العقد الفرید'' کے مصنف احمد بن عبدربہ نے اس فن کو آگے بڑھایا، تاہم ان دونوں کی موشحات زیادہ اہمیت نہیں پاسکیں اور غالباً ضائع

ہوگئیں۔المریّہ کے حاکم المعتصم بن صمادح کا درباری شاعر عبادہ القزّاز پہلا آدمی تھا جو اس فن میں چمکا اور مقبول خاص وعام ہوا۔ابن خلدون نے اس کا کچھ نمونۂ کلام بھی محفوظ کیا ہے۔

موشّحات (خصوصاً از جال) اجتماعی لوک گیتوں کی حیثیت رکھتے تھے جنہیں لوگ گلی کوچوں میں ٹولیاں بنا کر بآواز بلند گاتے تھے۔ایک شخص "المنشد" یعنی مرکزی گانے والا ہوتا تھا جو تنہا ایک بند لَے سے پڑھتا۔پھر اس کو سب لوگ مل کر دہراتے۔عود، نے، طنبور، دف وغیرہ آلات موسیقی بھی اس موقع پر بجائے جاتے اور گاہے گاہے رقص بھی کیا جاتا۔اس عوامی مزاج کے باعث ان اصناف کا فصیح عربی نیز عروض کے معروف اوزان میں ہونا مناسب نہ تھا۔یہ عامی لہجے اور عوامی دھنوں میں ہوتے تھے۔

لفظ ''موشح'' وشاح سے ہے جس کا مطلب وہ جڑاؤ پیٹی ہے جسے خواتین جنیو کے انداز میں ترچھا، ایک طرف کر کے کاندھے سے دوسری طرف کے پہلو تک پہنتی تھیں۔غالباً ''وشاح'' کے رنگا رنگ موتیوں اور منکوں کی ترتیب اور موشح کے ابیات واقفال کی ترتیب میں ایک مشابہت قائم کی گئی۔موشحات کے مضامین ہلکے پھلکے اور عوامی دلچسپی کے مطابق ہوتے تھے مثلاً حسن وعشق، بادہ وساغر اور منظر نگاری۔ان میں بسا اوقات پھکّڑ پن کی آمیزش بھی ہوتی تھی اور یہ بالعموم لونڈیوں، غلاموں یا بدمستوں کی زبانی تصور کیے جاتے تھے۔تاہم بعد میں انھیں مدح وہجو اور زہد وتصوف وغیرہ مختلف مضامین کے لیے بھی استعمال کیا جانے لگا۔

موشحہ کو سوقیانہ تصور کرتے ہوئے اول اول مستند شعراء نے انھیں درخورِ اعتنا نہ سمجھا، چنانچہ ابن زیدون کے کلام میں موشحات نہیں ملتیں حالانکہ اس کے دور میں اس صنف کا رواج ہو چکا تھا۔تاہم رفتہ رفتہ موشحات پر توجہ بڑھی۔انھیں فصیح لہجے کے قریب تر لایا گیا اور مروجہ اوزان کے سانچوں میں ڈھالنے کی بھی کوشش کی گئی، اگرچہ اس فن کے لوگ مستند روایتی کلام موزوں کو اس صنف کے تقاضوں کے خلاف قرار دیتے ہیں چنانچہ شعوری طور پر کوئی ایسا ٹکڑا لایا جاتا ہے جو اسے لگی بندھی بحر سے خارج کر دے، مثلاً:

صبرت والصبر شيمة العاني ولم اقل للمطيل هجراني

معذبي كفاني

ترجمہ: میں نے صبر کیا اور صبر ہی اسیر محبت کا شیوہ ہے اور میں نے ہجر کو طول دینے والے (محبوب) سے یہ نہیں کہا کہ اے میرے ستم گر! بس بہت ہو چکی۔

اب اس میں پہلے پورا شعر بحر منسرح میں آیا ہے لیکن " معذّبی کفانی " کا ٹکڑا اس سے خارج ہے۔جو موشحات عروضی اوزان سے خارج ہیں ان میں کچھ تو ایسی ہیں جن کی بہرحال ایک دھن سی بن جاتی ہے جس کا ذوقی وسماعی ادراک ممکن ہے اور کچھ ایسی ہیں جن کی کوئی دھن یا آہنگ سمجھ میں نہیں آتا انھیں صرف عوامی گانے میں کھینچ تان کر ہموار کیا جا سکتا ہے۔

موشحات کے مختلف بند

یہ مسئلہ کہ موشحات کے مختلف بند اصطلاحی طور پر کیا کہلاتے ہیں، حتمی طور پر طے شدہ نہیں۔چنانچہ ''بیت'' (یعنی وہ حصہ جو وزن اور عدد ارکان میں تو باقی موشح سے یکساں ہوتا ہے لیکن قافیہ مختلف رکھتا ہے) بعض کے خیال میں ''جزء'' بھی کہلاتا ہے۔''قفل'' وہ بند ہے جو وزن کے علاوہ ایک خاص قافیہ کا بھی پابند ہوتا ہے اور بار بار اسی قافیہ کی طرف لوٹتا ہے، اسے ''قفلہ'' بھی کہہ لیتے ہیں۔آخری

ٹیپ ''خرجہ'' کہلاتی ہے۔ابتدائی بند کو ''مطلع'' یا ''مذہب'' یا ''غصن'' کہا جاتا ہے۔''قفل'' کے مقابلے میں وہ ''ابیات'' جو قافیہ میں ''قفل'' کی پابندی نہیں کرتے ''دور'' یا ''سمط'' بھی کہلاتے ہیں۔اگر آغاز ان ''ابیات'' سے ہو تو موشح ''اقرع'' کہلاتی ہے اور اگر آغاز ''قفل'' سے ہو تو ''تام'' وغیرہ وغیرہ۔ان اصطلاحات کے طے شدہ نہ ہونے کے سبب اختلاف رائے اور ایک طرح کے ابہام کا پایا جانا فطری امر ہے۔ابیات و اقفال میں تعداد ارکان بھی مختلف ہو سکتی ہے۔

اجزاءِ موشحات

موشحات کی بنیاد عربی قصیدوں سے الگ تیار ہوتی ہے،اور یہ مختلف اجزاء سے مل کر تیار ہوتے ہیں،اور وہ سب مل کر موشحات کی تخلیق کا فرض انجام دیتے ہیں،ناقدین کے نزدیک ان اجزاء کو ذیل کے اصطلاحات کے ذریعہ جانا جاتا ہے:

1-مطلع 2-قفل 3-دور 4-سمط 5-غصن 6-بیت 7-خرجہ۔

جب فصیح و مستند شعراء کی توجہ موشحات کی طرف مبذول ہوئی تو اس صنف میں معروف شعراء کے کلام کو تضمین کرنے کا رجحان بھی پیدا ہوا۔چنانچہ ابن الوکیل نے ابن زیدون کے مشہور قصیدہ:

أضحي التنائي بديلاً من تدانينا

کو موشح میں اس طرح کھپایا ہے:

من هام بالغيد لاقى بهم هما

بذلت مجهودي لاحور الممي

يهم بالجود وردما هما

وعند ما قد جاد بالوصل أو قد كاد

أضحي التنائي بديلاً من تدانينا

ترجمہ: جو کوئی نازک اندام حسینوں پر مرتا ہے،ان کی وجہ سے دکھ اٹھاتا ہے، میں نے عنّابی ہونٹوں اور حسین آنکھوں والے (ایک محبوب) کی خاطر جو کچھ بھی بن پڑا، کیا۔

وہ کرم گستری کا ارادہ کر کے پھر توڑ دیتا ہے،اور بالآخر جب وہ آمادۂ وصل ہو گیا، یا ہونے ہی والا تھا تو

''ہمارے قرب کی جگہ جدائی نے لے لی''۔

موشحات کے فن میں الاعمی التطیلی، ابن بقی، ابوبکر بن الابیض، ابوبکر بن باجہ،ابوبکر بن زہر،محمد بن ابی الفضل وغیرہ اور آخر میں وزیر لسان الدین بن الخطیب بہت نمایاں نظر آتے ہیں،ان کے موشحات فکر و خیال،تصویر کشی،احساس و شعور اور نوع بنوع کے کلام کو پیش کرنے میں نہایت اہم تصور کیے جاتے ہیں۔

مشرق میں بھی موشحات کی پیروی کی گئی اور اس سلسلے میں ابن سناء الملک مصری کا نام سب سے اہم ہے جس کی موشحات کو

مشرق ومغرب میں یکساں شہرت ملی۔موشحات کےفن پراس کی کتاب" دارالطراز فی عمل الموشحات "آج تک یادگار ہے۔

لسان الدین بن خطیب اپنے ایک موشحہ میں غزل،طبیعہ اوراپنے ممدوح کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

فی لیال کتمت سر الهـــــــــــوی
بـــــالـــدجـــی لـــولا شـــمـــوس الـــغـــرر
مـــــال نـــجـــم الـــكـــأس فيهـــا وهـــوى
مستـــــقيـــــم السيـــــر سـعـــد الاثـــــر

ترجمہ:ایسی راتوں میں،جن راتوں نے اپنی تاریکیوں سے محبت کے سرنہاں کو چھپالیا،اگران تاریکیوں میں روشن اور چمکتے ہوئے ماہتاب نے اس کوظاہر نہ کیا ہوتا۔

جام کا ستارہ ان ہی کی طرف مائل ہوا،اور نیچے آ گیا،سیدھا چلتے ہوئے اوراچھے نشانات لے کر۔

ابن زمرک کا ایک مقطع ہے جسے اس نے اپنے ممدوح ابن احمر کی تعریف میں کہا ہے:

مـــــولای یـــــــانـــــكتة الـــــزمـــــان
دار بـــــمـــــا تـــــرتـــــضـــــی الـــــفـــــلك
جـــلـــلـــت بـــــالیـــــمـــــن والأمـــــان
کـــــل مـــــلیك ومـــــامـــــلك
لم يدر وصفى و لا عيانى
أمـــــلِك أنـــــت أم مـــــلَك

ترجمہ:اے میرے آقا،زمانہ کےمحور!جوتم نے خدا سے چاہااور مانگا،وہ ہوکررہا۔

سعادت وبرکت اورامن وامان میں آپ نہایت عظیم ہیں،ہر بادشاہ اوراس کی ملکیت سے۔

میری آنکھوں اوردلوں کوادراک نہ ہوسکا،کہ آپ بادشاہ ہیں یا فرشتہ۔

فن ازجال

یہ ایک نئی شعری صنف ہے،اہل اندلس نے اس کو پہلے پہل گانے کے لیے ایجاد کیا،اورشروع میں غزل کے اشعار کہے،پھر ازجال کے قصیدے دیگر مقاصد کے لیے بھی لکھے جانے لگے،اس میں دارجہ الفاظ کا استعمال ہوتا ہے،اور کبھی ندرت ولطافت کے لیے بعض غیرعربی الفاظ بھی داخل کر دیے جاتے ہیں،اس کی شکل بھی موشح سے ملتی جلتی ہے،اس کولوک گیت کی شکل میں اہل اندلس نے جاری کیا۔پھر رفتہ رفتہ پورے عرب میں مقبول ومعروف ہوگیا۔

زجل کا لغوی معنی گرج اور کڑک ہے،آواز میں کرختگی اورسختی کے لیے اس کا استعمال ہوتا ہے،بادل میں جب خوب کڑک اور

گرج ہوتو کہا جاتا ہے: سحاب زجل ۔یہیں سے اس کے معنی میں تغیر واقع ہوا، اور کھیل، شور وشغب اور چیخ وپکار کے معنی میں استعمال ہونے لگا، اسی سے ترنم ریز آواز کو بلند کرنے کا معنی پیدا ہوا، اور مست و بے خود کر دینے والی انسانی آواز کے لیے بولا جانے لگا۔

اصطلاحی طور پر زجل ان شعری فنون کو کہتے ہیں جو غیر معیاری اسلوب اور عربی قواعد کا زیادہ لحاظ نہ کرتے ہوئے اختراع کر لیے گئے ہوں، اور اس سے عربی نظم کی وہ شکلیں مراد لی جاتی ہیں جو درمیانی ادبی زمانہ میں ظہور پذیر ہوئیں۔

ازجال کی زبان اگر چہ خالص عربی نہیں ہوتی تھی، بلکہ اس میں کچھ اختلاط بھی ہوتا تھا، مگر بڑی حد تک فصاحت و بلاغت کے قریب ہوتی تھی، اور یہ فرق بدستور عربی اشعار اور ازجال کے اندر باقی رہا۔

ازجال کی نشو ونما کے مراحل

ازجال کے پانچ مرحلے گزرے ہیں، ان کا ذکر ذیل میں باختصار کیا جاتا ہے:

1-ابن قزمان سے پہلے کا مرحلہ:

اس مرحلہ میں زجل عامی شعر ہوا کرتا تھا، بلکہ یوں کہا جائے کہ اس کی حیثیت لوک گیت کی ہوتی تھی جو لوگوں کی زبانوں پر جاری رہتا تھا، اور اس میں ایک جماعت کی محنت کارفرما ہوتی تھی، یہ غالباً تیسری صدی ہجری کے اواخر کا زمانہ تھا، پڑھے لکھے افراد عربی قصائد اور موشحات پر زیادہ توجہ دیتے تھے جب کہ عوام کی دلچسپی ازجال اور لوک گیتوں میں زیادہ رہتی تھی۔

2-عرب شعراء کے ازجال

یہ زجل کی ترقی کا دوسرا دور ہے، اس میں وہ شعراء پیش پیش نظر آتے ہیں جو ابن قزمان کے دور سے قبل عربی قصائد اور موشحات پر توجہ مرکوز رکھتے تھے، مگر جب انہوں نے ازجال اور عوامی گیتوں کی گرم بازاری عوام میں دیکھی تو وہ بھی اس کی طرف مائل ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اور انہوں نے بھی ازجال کو اپنی جولانیٔ طبع کا موضوع بنایا۔

3-ازجال کا عروج وقبول عام

اس دور میں ازجال کی نمائندگی کرنے والے وہ شعراء ہیں جو چھٹی صدی ہجری میں رہے، جب طوائف کی حکومت زوال پذیر اور مرابطون کی سلطنت کا چراغ روشن ہونے جا رہا تھا، اس مرحلہ میں زجل کی ترقی اور عروج کا راز یہ ہے کہ اس دور کے حکام وامراء بھی شعروشاعری میں دلچسپی لیتے تھے، اور شعراء کی دل کھول کر ہمت افزائی کرتے تھے، حکام طوائف کے زمانہ میں زجل کو جو عروج و مقبولیت نصیب ہوئی، پھر کسی دور میں یہ مقام نہیں ملا، اور ابن قزمان ان سب کا لیڈر اور قائد تھا، اس دور ہی میں نہیں بلکہ پورے اندلس میں وہ اس صنف شعری کا نامور ترین شاعر رہا، اس کا نام ابوبکر محمد بن عیسیٰ بن عبدالملک بن قزمان ہے، بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ابن قزمان نے جب عربی شعر گوئی اور موشحات کے میدان میں اپنے اندر کمی محسوس کی تو اس نے ایک ایسی صنف شعری کی بنیاد ڈالی جس میں اس کا کوئی نظیر ومقابل نہ ہو، اس طرح وہ فن زجل کا امام وقائد بن گیا، اور اس میں اس کی شہرت سرزمین اندلس سے پرواز کر کے مغرب ومشرق کے چپہ چپہ تک پہونچ گئی۔

4- چوتھا مرحلہ

یہ دور چھٹی صدی ہجری کے نصف سے ساتویں صدی ہجری تک کا ہے، اسی مرحلہ میں ابن قزمان کی وفات کا واقعہ بھی پیش آیا، مرابطون کی سلطنت کا خاتمہ ہوا، اور موحدون کی حکومت کی بنا پڑی، اس دور میں گرچہ بہت سارے شعراء زجل سامنے آئے جیسے ابن زیات، ابن جحدر الاشبیلی، ابوعلی حسن الاد باغ، مگران سب میں ابن قزمان کی جانشینی کا مقام احمد بن الحاج (مدغلیس) کو ملا، اور اسی نے سب سے زیادہ اس میدان شہرت ومقبولیت حاصل کی۔

5- پانچواں اور آخری مرحلہ

یہ آٹھویں صدی ہجری کا زمانہ ہے، اس دور کے مشہور ومقبول شعراء زجل میں لسان الدین بن خطیب، ابوعبداللہ لوشی اور محمد بن عبدالعظیم وادی آشی ہیں۔

ازجال کے موضوعات

ازجال میں بھی وہی سارے موضوعات غالب رہے جو اس سے قبل عام عربی قصائد اور موشحات میں رائج تھے، البتہ زجل میں بیک وقت یعنی ایک ہی قصیدہ میں ایک سے زائد اغراض ومقاصد بھی شامل کردیے جاتے تھے، چنانچہ غزل کے ساتھ شراب کی تعریف بھی ہوتی، مدح وتوصیف میں غزل یا مناظر فطرت کا ذکر بھی شامل کردیا جاتا، اور مناظر فطرت کے ساتھ ساز وموسیقی اور رقص و سرود کی محفلوں کی داستانیں بھی سنائی جاتیں۔ وہ ازجال جو ایک ہی صنف شعری میں محدود رہے، بہت کم ہیں۔ زجل میں پہلی بار ششتری نے تصوف کے معانی شامل کیے جیسا کہ موشحہ کو سب سے پہلے ابن عربی نے تصوف کے لیے استعمال کیا۔

ازجال کے اندر بھی موشحات ہی کی طرح فنی تقسیمات پائی جاتی ہیں: مطلع، غصن، سمط، قفل، دور، خرجہ۔ اسی کے ساتھ ازجال میں زبان سہل وسادہ استعمال کی جاتی تھی، جس کے نتیجہ میں کبھی لحن بھی واقع ہوجایا کرتا تھا، اس کو عوامی مقبولیت ملنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس کے ذریعہ اہل اندلس کی زندگیوں کی سچی اور واقعی تصویر کشی کی جاتی تھی، قرطبہ کی گلیوں، اشبیلیہ کے محلوں اور لوگوں کی ہنسی مذاق، خوشی اور غمی، ہر چیز کا تذکرہ اور بیان اس میں ہوا کرتا تھا۔ زجل کا مزاج موشح سے زیادہ عوامی تھا چنانچہ اس میں دارجہ لہجہ زیادہ استعمال ہوا ہے جس میں مقامی لاطینی دارجہ کے الفاظ بھی شامل ہیں۔ لفظ ''زجل'' کا لغوی مفہوم عالم طرب میں گانا اور غل مچانا وغیرہ ہے۔

ابن قزمان کہتا ہے:

هجرن حبيبي هجر

وانا ليس لي بعد صبر

ليس حبيبي الاودود

قطع لي قميصي من صدود

وخاط بنقض العهود

وحبـــــــــب الـــــــــــى السهـــــــــر

كـــــــان الـــــكستبــــــان مــــن شـــجـــون

والابـــــــر مـــــن سهــــــام الــــجـــفـــون

وكـــــــان الــــمـــــقـــص الـــمـــنـــون

والـــــخيــــط الــــقــــضــــا والـــــقـــدر

ترجمہ: میرے محبوب نے مجھے الوداع کہہ دیا، اس کے جانے کے بعداب میں صبر نہیں کرسکتا۔

میرا محبوب تو میری خالص محبت ہے، اس نے مجھ سے اعراض کرلیا ہے۔

اس نے عہد و پیمان کو توڑ دیا ہے، اور مجھے شب بیدار بنا دیا ہے۔

میرے کپڑوں میں غم ہی غم ہے، اور آنکھوں کی پلکوں میں سوئی ہے۔

اور قینچی تو موت ہے، اور دھاگہ قضاوقدر ہے۔

زجل، جیسا کہ بیان ہوا، موشح سے زیادہ عوامی چیز ہے جس کی زبان غیر معیاری مقامی لہجوں پر مبنی ہوتی ہے۔ زجل کے ارتقاء میں سعید بن عبد ربہ، ابو یوسف ہارون الرمادی، عبادہ بن ماء السماء، ابوعثمان بن سعید البلینہ ، وغیرہ بہت سے شعراء نے حصہ لیا۔ لیکن ابن قزمان، ابوبکر محمد بن عبدالملک کو زجّالین میں نہایت نمایاں حیثیت حاصل ہے، اس کی ایک معروف زجل کی ابتداء یوں ہوتی ہے:

يـــــــا مــــليــــح الــــدنيــــا قـــول

عــــلــــي اش انــــــت يـــــا ابـــــن مــلـــول

اي انـــــــا عـــــنـــــدك وجيـــــــــه

يتـــمـــجـــج مـــن وفيـــه ثـــم فـــاحـــلـــي مـــاتتيـــه

تــــــــرجـــــــع انســــــنك وصـــــــول

فصیح عربی میں اس زجل کی جو شرح بتائی گئی ہے، اس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے:

اے دنیا کے ملیح ترین شخص یہ بتا کہ آخر کیا سبب ہے کہ تو پیہم متغیر ہے، کسی ایک حال پر ٹھہرتا نہیں، مجھے تیرے ہاں بڑا مقام حاصل ہے۔

بھلا انسان اپنے وفادار سے کیوں کر نفرت کرسکتا ہے جس قدر ناز کرنا ہے کرلے کہ بالآخر تجھے اسی سے جاملنا ہے جس سے تجھے محبت ہے۔

زجل کے عمومی موضوعات عوامی دلچسپیوں سے عبارت تھے جن پر پھکڑ پن اور فحش گوئی کا اثر بھی نمایاں تھا تاہم اسی صنف میں رفتہ رفتہ سیاسی، مدحیہ بلکہ حزنیہ مضامین بھی جگہ پانے لگے۔

زجل کا فن اندلس کے تمام گوشوں میں اس قدر مقبول ہوا کہ ان تمام شعراء کے نام گنوانا ممکن نہیں جنہوں نے اسے اپنایا۔

اندلس سے مشرق کی طرف ہجرت کرنے والے شعراء کے توسط سے زجل نہ صرف دیارِ مشرق میں پہنچی بلکہ فرانس، انگلستان، جرمنی، اٹلی، پرتگال وغیرہ مغربی ممالک پر بھی اس کا اثر دریافت کیا گیا ہے۔

فن طبیعہ

اجتماعی مرثیے کے علاوہ جس صنف سخن میں شعرائے اندلس نے اپنا خاص رنگ جمایا، وہ طبیعہ ہے۔ عام قصائد کے ذریعہ معرکوں کی منظر کشی، سیر وشکار کی تصویر کشی، مجالس لہو ولعب اور بزم ہائے جام وطرب کی منظر کشی وغیرہ وغیرہ مضامین میں انھوں نے اپنے دقیق مشاہدات کو پیکر شعر میں ڈھالا لیکن اس میدان میں جہاں سب سے بڑھ کر ان کے جوہر کھلے وہ مناظر فطرت یعنی ''طبیعہ'' کا بیان تھا جس میں وہ اہل مشرق پر بازی لے گئے۔ سبزہ وآبِ رواں، اشجار وطیور، چاند ستارے، محلّات اور ان کی آرائش وزیبائش جیسے موضوعات پر ان کے قلم نے موئے قلم کی سی باریکی دکھائی اور یہ اندلس کی حسین وجمیل فضاؤں کا طبعی وقدرتی تقاضا تھا۔

اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ شعری فنون میں یہ صنف اہل اندلس کی خاص ایجاد ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کے اسباب بھی مہیا کر دیے تھے، اس لیے شعراء اندلس نے مختلف پہلوؤں سے مناظر فطرت کی عکاسی ہے، شعراء مشرق کے یہاں یہ اسباب ہی نہیں پائے گئے کہ وہ ان موضوعات کو اپنی شاعری کے ذریعہ حیاتِ دوام بخشتے، یہ فطری اور طبیعی تخلیقات اور خیرہ کن مناظر اہل اندلس کو ان کی سرزمین میں اس قدر وافر مقدار میں ملے کہ وہ مبہوت رہ گئے، اور ان کے دل قدرتی طور پر ان مناظر کے زلف گرہ گیر کے اسیر ہوگئے، طبیعہ کے چند گوشوں کا یہاں مختصراً تذکرہ کیا جارہا ہے، جن سے شعراء طبیعہ کا ربط وتعلق رہا۔

1-طبیعہ اور عورت

عرب کے شعراء کا معمول رہا کہ وہ اپنے قصائد کا آغاز تشبیب یعنی عورت کی جسمانی ظاہری محاسن وجمال کے تذکرہ سے کرتے تھے، چنانچہ اس کے حسن وجمال کو طبیعہ کی جاذب نظر ودل کش چیزوں سے تشبیہ دیتے تھے، جیسے عورت کے قد وقامت کو درخت کی ٹہنی اور اس کے بال کو رات کی سیاہی کے مشابہ قرار دیتے تھے، لیکن اندلس کے شعراء اپنی سرزمین پر مناظر فطرت کی کثرت کی وجہ سے اس کے لیے زیادہ آمادہ وموزوں تھے، اس لیے فطری طور پر غزل کے موضوعات میں طبیعہ کے معانی بکثرت پائے گئے۔

ابن سہیل الاشبیلی طبیعہ کے بارے میں کہتا ہے، اور معکوس تشبیہ دیتے ہوئے زمین اور اس کی سرسبزی وشادابی کو خوبرو عورت کے مشابہ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے:

الأرض قد لبست رداء أخضرا
والطل ينثر في رباها جوهرا
وكان سوسنها يصافح وردها
ثغر يقبل منه خداً أحمرا

ترجمہ: زمین نے سبز چادر زیب تن کرلیا ہے، اور شبنم نے اس کے ٹیلوں کو جواہر سے ڈھانپ لیا ہے۔

اس زمین کا سفید پھول اس کے سرخ گلاب سے ہاتھ ملا رہا ہے، گویا وہ اپنے ہونٹ سے سرخ رخسار کو بوسہ لے رہا ہے۔

2-طبیعہ اور شراب

اندلسی شاعری میں بارہا عورت اور شراب کا تذکرہ ایک ساتھ طبیعہ کے ضمن میں آتا ہے، اندلسی شاعری میں ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ فطرت کی منظر کشی میں عورت اور کنایۃً شراب کا تذکرہ نہ ہو۔ معتمد بن عماد کہتا ہے:

شربنا وجفن الليل يغسل كحله

بماء صباح والنسيم رقيق

معتقة كالتبر أما نجارها

فضخم وأما جسمها فدقيق

ترجمہ: ہم نے اس حال میں جام پیا کہ رات کی پلکیں اس کے سرمہ کو دھو رہی تھیں صبح کے پانی سے، اور بادنسیم بہت نرم خرام تھی۔
وہ سونے کے ڈھیلہ کی طرح خالص اور سنہری ہے، رہی اس کی اصل ونسب تو وہ بہت عظیم ہے، اور جسم بہت چھریرا ہے۔

3-طبیعہ اور مدح سرائی

مدح وتوصیف میں طبیعہ کا پہلو اہل اندلس کی شاعری میں سب سے نمایاں طور پر پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ یہ ان کے اسلوب شاعری کا لازمی جزء بن گیا، چنانچہ بعض شعراء نے طبیعہ ومناظر فطرت کے محاسن کو ممدوح کے کارناموں سے تشبیہ دی، جیسا کہ ابن ہانی معز فاطمی کے بارے میں کہتا ہے:

وما تطلع الدنيا شموسا تريكها

ولا للرياض الزهر ايد حوانك

ولكنما ضاحكتنا عن محاسن

جلتهن أيام المعز الضواحك

ترجمہ: دنیا تمہیں سورج کے ذریعہ روشنی نہیں دکھاتی ہے، اور نہ ہی باغات کے پاس شادابی وسرسبزی کے ذرائع ہیں۔
لیکن یہ سورج اور خوشنما باغ جن محاسن کا اظہار کرتے ہیں، ان کو معز فاطمی کے شب وروز نے منور کر رکھا ہے۔

4-طبیعہ اور حماسی اشعار

شعراء اندلس کے اندر طبیعہ اور قدرت کے مناظر کو جملہ شعری اغراض وموضوعات میں عام کرنے کا معمول رہا، لیکن طبیعہ اور جوش وجذبہ کے عناصر ان کے اشعار میں باہم دگر پیوست نظر آتے ہیں، ابوبکر بن عمار معتمد کے بارے میں کہتا ہے:

أثمرت رمحك من رؤوس كماتهم

لما رأيت الغصن يعشق مثمراً

ترجمہ: آپ کے نیزہ نے ان کے جانبازوں کے سروں کو قلم کر دیا، جب آپ نے ٹہنی کو پھل سے عشق کرتے ہوئے دیکھا۔

طبیعہ شاعری کے عظیم الشان اندلسی ذخیرہ سے انتخاب اور پھر اس کی چند نمائندہ مثالیں گذریں۔ مزید یہاں دو مثالیں دے دینا مناسب ہے، جن سے اس صنف کی ضرورت واہمیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ ابن خفاجہ ابراہیم بن ابی الفتح (متوفی 533ھ/ 1138ء) کو چونکہ ''طبیعہ'' یعنی مناظر فطرت کی عکاسی میں نمایاں حیثیت حاصل ہے، اس کے چند اشعار پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ آبِ رواں کی تصویر اس نے کس چابکدستی سے بنائی ہے اور اس میں کیا کیا رنگ بھرے ہیں:

متعطفٌ مثل السوار كأنه
والزهر يكنفه مجرّ سماءِ
قد رق حتى ظُنَّ قرساً مفرغاً
من فضة في بردة خضراءِ
وغدت تَحف به الغصون كأنها
هدب يحف بمقلة زرقاءِ
والريح تعبث بالغصون وقد جَرى
ذهبُ الأصيل على لُجين الماءِ

ترجمہ: کنگن کی طرح بل کھایا ہوا، پھولوں میں گھرا ہوا (یہ پانی) یوں لگتا ہے جیسے آسماں کی کہکشاں۔
اس درجہ لطیف کہ سانچے میں ڈھلا ہوا چاندی کا ایک تھال معلوم ہوتا ہے جو ایک سبز چادر پر دھرا ہو۔
ڈالیاں اس کے گرداگرد یوں ہجوم کیے ہوئے ہوں جیسے نیلگوں حلقہ چشم کے گرد پلکیں ہوں۔
اور ہوا ٹہنیوں سے اٹکھیلیاں کر رہی ہے جبکہ شام کا سونا پانی کی چاندی پر رواں ہے۔

ابن خفاجہ اندلسی ہی نے ایک دوسرے موقع پر اندلس کی فضاؤں کو یوں خراج پیش کیا تھا:

يا أَهلَ اندَلُس لِلَّهِ دَرُّكُمُ
ماءٌ وَظِلٌّ وَأَنهارٌ وَأَشجارُ
ما جَنَّةُ الخُلدِ إِلّا في دِيارِكُمُ
وَلَو تَخَيرتُ هذا كُنتُ اَختارُ

ترجمہ: اے اہل اندلس! تمہارے کیا کہنے ہیں۔ پانی، سایہ، دریا اور درخت۔
باغ خلد اگر کہیں ہے تو تمہارے دیار میں ہے، مجھ سے اگر کہا جائے کہ دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کروں تو میں اسی کو اختیار کروں۔ گویا کہ:

اگر فردوس بر روئے زمیں است

طبیعہ ہی کی قسم میں علی بن حصن کے وہ اشعار بھی بہت دلکش اور انوکھے ہیں جن میں انہوں نے شاخ پر بیٹھے ہوئے فاختہ کے بچے کے بال و پر کے ایک ایک ریشے کی زندگی سے بھرپور تصویر بنائی ہے۔ابن شہید کے وہ اشعار بھی نہایت دلفریب ہیں جن میں انہوں نے ابر و باراں کی منظر کشی کی ہے۔اسی طرح ابن زیدون کا وہ قصیدۂ قاضیّہ جو انہوں نے مدینۃ الزھراء میں ولّادہ کی یاد میں لکھا۔

ابن زمرک، ابوعبداللہ محمد بن یوسف (متوفی 793ھ/ 1390ء) کو اندلس میں عربی شاعری کا آخری ستون کہا جاسکتا ہے۔ وہ ایک اچھا نثر نگار بھی تھا۔بطور شاعر ابن خفاجہ کے رنگ کا یہ کامیاب شاعر طبیعہ سمجھا جاتا ہے چنانچہ مناظر فطرت کی عکاسی میں اسے زبردست ملکہ حاصل تھا۔الحمراء کے در و دیوار، باغات اور وہاں کی محفلوں کا نقشہ اس نے بڑی خوبصورتی سے کھینچا ہے۔اس کے بعض اشعار آج تک الحمراء کی دیواروں پر نقش ہیں اور ان کی بے مثال مینا کاری کا حصہ ہیں۔ایک قصیدے میں اس نے جلتے ہوئے چراغ کی منظر کشی کی ہے جو اس کی دقّت مشاہدہ اور قدرتِ اظہار کے ساتھ ساتھ اس کی داخلی شخصیت پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔انہی چند شعروں کو ہم اس کے نمونۂ کلام کے طور پر درج کرتے ہیں، دیکھئے اس نے کس خوبی سے چراغ کی لَو اور سوزِ محبت کو باہم دگر پیوست کر دیا ہے:

لقد زادني وجداً واغرى بي الجوى
ذبال بأذيال الظلام قد التفا
تشير وراء الليل منه بنانة
مخضبة والليل قد حجب الكفا
تلوح سنانا حين لا تنفح الصبا
وتبدي سوارا حين تثني له العطفا
قطعت به ليلا يطارحني الجوى
فآونة يبدو وآونة يخفى
إذا قلت لا يبدو أشال لسانه
وإن قلت لا يخفى الضياء به كفا
إلى أن أفاق الصبح من غمرة الدجى
وأهدى نسيم الروض من طيبه عرفا
لك الله يا مصباح أشبهت مهجتي
وقد شفها من لوعة الحب ما شفا

ترجمہ: بلاشبہ میری کسک میں اضافہ کر دیا ہے اور درد محبت کو بھڑکا دیا ہے ایک فتیلے نے جو ظلمت کے دامن سے الجھ رہا ہے۔ اس کی ایک حنائی انگشت رات کے ماورا اشارہ کرتی ہے جبکہ باقی ہاتھ پر رات نے پردہ ڈال رکھا ہے۔

جب بادِ صبا نہیں چلتی تو یہ (انگشت) نیزے کی انی کی طرح دمکتی ہے اور جب صبا اس (فتیلے) کا پہلو دباتی ہے تو یہ ایک کنگن کی صورت دکھائی دیتی ہے۔

اس کے سہارے میں نے رات گزار دی، دردِ محبت مجھ سے مصروفِ کشاکش رہا۔

وہ (اس لَو کی طرح) کبھی کھل کر سامنے آتا تھا اور کبھی روپوش ہو جاتا تھا۔

جب میں یہ سمجھنے لگتا تھا کہ اب وہ ظاہر نہیں ہوگا تو وہ اپنی زبان بلند کر دیتا تھا۔

اور جب میں یہ تصور کرنے لگتا تھا کہ اس کی روشنی اب نہ بجھے گی تو وہ مدھم پڑ جاتا تھا۔

(یہ سلسلہ جاری رہا) تا آنکہ صبح، تاریکیوں کی کٹھنائی سے آزاد ہوئی اور باغوں کی ہواؤں نے اپنے مہکار کی لپٹ کا ہدیہ بھیجا، اللہ تیرا بھلا کرے، اے چراغ تو میری روح سے مشابہ ہے جسے سوزِ عشق نے بے حد زار و نزار کر رکھا ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ اندلسی شعراء کی نظر میں طبیعہ اور اس کے معانی نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں، اور ایسا نہیں ہے کہ اس سے قبل شعراء نے اس طرف یکسر توجہ نہیں دی، بلکہ بہت سارے شعراء مشرق نے مرثیہ اور طبیعہ کے اشعار کہے ہیں، لیکن اندلسی شعراء کے نزدیک ان کے خاص ملکی حالات اور سرسبزی و شادابی کے پیش نظر یہ معانی واضح اور نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں، اور پھر یہ کہ اندلسی شعراء نے اپنے وطن سے دور زندگی گذاری، جیسے ابن زیدون، ابن خفاجہ، ابن حمیدیس اور ابن عباد، ان سب کے اشعار میں طبیعہ کا پہلو بہت غالب اور واضح تھا۔

شعر طبیعہ کی خصوصیات

شاید طبیعہ کا سب سے بڑا محرک جو اندلسی شاعری کے اندر پایا جاتا ہے، وہ یہ کہ شعراء بدوی زندگی سے گریز چاہتے تھے، اور اپنے اشعار میں ان مناظر فطرت کا تذکرہ نہیں کرنا چاہتے تھے جن کا اثر شعراء مشرق پر غالب تھا، لیکن شروع شروع میں شعراء نے قدیم اسلوب ہی کو اختیار کیا، اس لیے کہ وہ اپنے قدیم شعراء کے اسلوب سے تعلق وطن و زبان کی بنیاد پر اعراض کرنا نہیں چاہتے تھے، لیکن بتدریج طبیعہ کا اثر ان کے ذہنوں پر چھاتا گیا، اور اپنے جملہ اصنافِ شاعری میں اس کو شامل کرتے رہے، اس پس منظر میں اندلس کی طبیعہ شاعری کی خصوصیات کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:

1- اس منظر کشی کے اندر ممتاز اندلسی معاشرہ کے خط و خال بیان کیے جاتے تھے، اور بکثرت تالاب، ندی، پھول، درخت اور سمندر وغیرہ دیگر مناظر فطرت کا تذکرہ ہوتا تھا، اس لیے کہ یہ ساری چیزیں ان کی نظروں کے سامنے تھیں۔

2- پھول کا اندلسی شاعری میں بڑا کردار ہے، اور اہل اندلس کی زندگیوں میں جس کثرت سے اس کا رواج تھا، اسی کثرت سے شعراء نے بھی گلاب، یاسمین، نرگس، سوسن اور دیگر پھولوں کا خوب جی بھر کر تذکرہ کیا ہے۔

فن حنین

سچ کہا ہے کسی نے:

بلادی و ان جارت علیّ عزیزۃ

یعنی میرا ملک خواہ مجھ پر ظلم ہی کیوں نہ کرے جب بھی وہ مجھے دل وجان سے عزیز ہے، یہ اس وقت ہے جب ملک ووطن ظالم ہو، اور اگر وہ اپنے جگر کے ٹکڑوں پر ظلم وزیادتی نہ کرے، تو انسان کبھی بھی اپنے وطن سے منہ نہیں موڑ سکتا، اور نہ ہی اس کی محبت اور یاد وشوق کو اپنے دل ودماغ سے کھرچ کر کبھی نکال سکتا ہے۔

انسان بارہا اپنے وطن پر غصہ ہوتا اور اس سے ناراضگی کا اظہار کر رہا ہوتا ہے، مگر پھر فوراً اس کا مشتاق نظر آتا ہے، اور ماضی کی یادوں کو تازہ کر کے تکلیف وکراہ محسوس کرتا ہے، پھر یہ شوقِ وطن اور دیارِ عزیز کی یاد طرح طرح سے سامنے آتی ہے اور اس پر اثر انداز ہوتی ہے، جس کے نتیجہ میں اس کی آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں ہو جاتا ہے، اور زبان سے شیرینی وتموج کے ساتھ سوزِش قلب وجگر کے اشعار جاری ہو جاتے ہیں۔

حنینِ وطن اور انسانی فطرت

اپنے دیار اور وطن کے شوق وحنین کی سب سے واضح اور نمایاں مثال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ یادگار لمحہ ہے جب آپؐ اپنی جائے پیدائش اور محبوب دیار مکہ سے ہجرت کر کے ایک اجنبی جگہ مدینہ کے لیے عازم سفر ہو رہے تھے، ابھی مکہ کے نشانات نظروں سے اوجھل بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخِ انور اس کی طرف کرتے ہوئے فرمایا: "یامکة لأنت أحب بلاد اللّٰہ الی اللّٰہ، ولأنت أحب بلاد اللّٰہ الی، ولولا أن قومك أخرجوني منك ماخرجت"، فنزل جبریل -علیه السلام- بقوله تعالیٰ: "وکأین من قریة أشد قوة من قریتك اللتي أخرجتك أهلکناهم فلاناصر لهم". [سورہ محمد: ۱۳] (اے مکہ! تو اللہ تعالیٰ کی نظر میں تمام جگہوں میں سب سے محبوب مقام ہے، اور میرے نزدیک بھی تو جملہ سرزمینوں میں سب سے محبوب ہے، اور اگر تیری قوم آج مجھے نہیں نکالتی تو میں ہرگز تجھے چھوڑ کر نہ جاتا، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیت ربانی لے کر نازل ہوئے: اور ہم نے کتنے ایسے علاقے تہس نہس کر دیے جو آپ کے اس علاقہ سے طاقت وقوت میں بڑھے ہوئے تھے، جس نے آپ کو نکالا، ہم نے ان علاقے والوں کو ہلاک کر دیا تو کوئی ان کا مددگار نہیں ہوا)۔

تو اپنے علاقہ، دیار، سرزمین اور اہل وعیال، دوست واحباب کی طرف حنین واشتیاق، انسان کے صاحب رشد وعقل ہونے کی علامت ہے، اس سے اس کے ذہن کی پختگی اور خاندانی نجابت وشرافت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسلاف کی زبانی شوق وحنین سے متعلق کچھ معنی خیز جملے منقول ہیں، جن سے اس جذبہ کی شرافت وصداقت اور انسانی نفوس میں اس کی گہرائی وگیرائی کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ ایک اعرابی نے کہا: ''کسی ایسے شہر کی شکایت نہ کرو جس میں تمہارے قبیلہ والے ہوں، اور اس سرزمین پر ظلم نہ کرو جس میں تمہارے اہل تعلق ہوں۔ ایک دوسرے شخص نے کہا: کوئی انسان اپنے وطن سے زیادہ کہیں دوسری جگہ مطمئن نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ وہ طبعاً ہر گھٹیا چیز میں عیب نکالتا ہے، اور ہر ناپسندیدہ شے کی مذمت کرتا ہے، مگر اپنے وطن کو برا بھلا نہیں کہہ سکتا اگرچہ وہ خراب مٹی والا ہو، اور ناپسندیدہ غذا والا ہو، اور اگر اپنے وطن کا شوق وحنین لوگوں کے دلوں میں نہ ہوتا تو ساری زمین اور گھر بار ویران ہو چکے ہوتے۔

شوق وحنین کے اشعار میں بالخصوص اہل اندلس کا بڑا کردار اور حصہ ہے، انہوں نے وطن کے اشتیاق، وہاں گزرے ہوئے اپنی جوانی کے زریں لمحات اور حسین یادوں کے بارے میں بڑے دل سوز و معنی خیز اشعار کہے ہیں۔

عبدالرحمٰن اول اور دیگر شعراء کا شوقِ وطن

اندلس کی سرزمین پر پہلا اندلسی خلیفہ عبدالرحمٰن الداخل، جن کے اشعار پر یادِ وطن یا فخر کا مضمون غالب ہے۔ ان میں زیادہ شہرت چار شعر کے اس قطعے کو ملی جو انہوں نے رُصافہ قرطبہ میں کھجور کے ایک تنہا درخت کو دیکھ کر کہا۔ کھجور کا درخت اندلس کی چیز نہ تھی، یہ اسے اس کے وطن، سرزمین شام، اور وہاں امویوں کی عظمت رفتہ کی یاد دلاتا تھا۔ شاید اسی لیے اس نے مسجد قرطبہ کے ستون اور ان کی درمیانی قوسیں اس وضع پر رکھوائیں کہ وہ ایک نخلستان کا نمونہ پیش کریں۔ ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمہ نے اسی کیفیت کو محسوس کر کے کہا تھا:

تیری بنا پائدار، تیرے ستوں بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل

بہر کیف رصافہ میں کھجور کا درخت دیکھ کر عبدالرحمٰن الداخل کے دل کے تار جھنجھنا اٹھے اور اس نے اپنے اور اس کے درمیان غریب الوطنی کا اشتراک محسوس کرتے ہوئے کہا:

تَبَدَّتْ لَنَا وَسْطَ الرُّصافَةِ نَخْلَةٌ
تَنَائَت بأرضِ الغَرْبِ عن بَلَدِ النَّخْل
فَقُلْتُ شَبِيهي في التَغَرُّبِ والنَّوَى
وطُولِ التَّنَائي عن بَنِيّ وعَن أهْلِي
نشَأتِ بأرضٍ أنتِ فيها غَريبةٌ
فمِثْلُكِ في الإقصاءِ والمُنْتأى مثلي
سَقَاكِ غَوَادِي المُزْنِ مِن صوبها الذي
يَسُحُّ ويستمرِي السِّماكَين بالوبْلِ

ترجمہ: رُصافہ کے وسط میں ایک کھجور کا درخت ہمیں دکھائی دیا جو کھجوروں کی سرزمین سے بہت دور ارض مغرب میں کھڑا تھا۔
میں نے اس سے کہا: اے کہ تو میری شبیہ ہے غریب الوطنی میں، بعد مکانی میں، اور اہل وعیال سے مدتوں کے فراق میں۔
تو نے ایک ایسی سرزمین میں نشوونما پائی ہے جہاں تو غریب الدیار ہے، چنانچہ فاصلوں، دوریوں اور مہجوریوں کے حوالے سے تو میری زندہ مثال ہے۔
خدا کرے صبح کے بادل تجھے اپنے دھارے سے سیراب کریں جو کھل کر برستا ہے اور (آسمان کے ستاروں) سماکین سے موسلا دھار بارش کھینچ کر لے آتا ہے۔

ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے بالِ جبریل میں ان اشعار کا آزاد ترجمہ ''عبدالرحمٰن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت سرزمین اندلس

میں'' کے عنوان سے کیا ہے:

مغرب کی ہوا نے تجھ کو پالا
صحرائے عرب کی حور ہے تو
پردیس میں ناصبور ہوں میں
پردیس میں ناصبور ہے تو
غربت کی ہوا میں بارور ہو
ساقی تیرا نم سحر ہو

قاضی ابوعبداللہ محمد بن عیسیٰ اپنے احساسات وجذبات کا اظہار کررہے ہیں اوران کو دوسروں کے سامنے بیان کررہے ہیں، جب وہ اندلس سے نکلے تو ان کو اپنی جوانی کے وہ دن یاد آگئے جو بہت روشن وممتاز تھے اور وہ ایام شباب جو عظیم کارناموں اور قابل فخر حصولیابیوں سے بھرے ہوئے تھے تو بے ساختہ ان کی آنکھیں اس وقت اشک بار ہوگئیں، جب وہ قرطبہ میں اپنے اہل تعلق کے درمیان عزت ومحبت اورامن وامان کی پرسکون فضا میں رہ رہے تھے، تو اچانک ان کی نظریں چند فاختاؤں پر پڑیں اوران کو ماضی کی حسین یادوں نے آگھیرا، اب وہ اپنی نعمتوں بھری جوانی اوراس خوفناک اور وحشت بھرے بوڑھاپا کو یاد کرنے لگے، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

ماذا أكابد من وُرق مغرّدة
على قضيب بذات الجزع مياس
رددن شجواً شجا قلب الخلي فهل
في عبرة ذرفت في الحب من بأس
ذكرنه الزمن الماضي بقرطبة
بين الأحبة في أمن وايناس
هم الصبابة لولا همة شرفت
فصيرت قلبه كالجند ل القاسي

ترجمہ: ذات جزع میں ایک نرم وجھکی ہوئی شاخ پر بیٹھی چند فاختاؤں سے میں کس طرح کا درد وکسک محسوس کررہا ہوں۔
وہ بار بار اپنے درد وغم کا اظہار کررہی ہیں، جس نے محروم محبت کو بھی درد وغم میں مبتلا کردیا، تو کیا محبت میں بہنے والے آنسو میں کوئی غم کا ذرہ بھی ہے؟

ان فاختاؤں نے قرطبہ میں احباب اوراعزاء کے درمیان گذرے ہوئے ماضی کے حسین ایام کو یاد دلا دیا۔
وہ عاشق زار ہیں، اگران کے اندر بلند ہمتی نہ ہوتی تو ان کا دل سخت پتھر کی طرح ہوجاتا۔

اسی حنین وشوق کے طرز پر ابوبکر محمد بن ازرق اپنی جوانی کے دنوں، ان کی شادابیوں، اور احباب کی دل داریوں پر آنسو بہاتا اور تعجب کا اظہار کرتا ہے کہ آلام ومصائب کی یورش اور درد وغم کے ہجوم ہیں، اس کے اور اس غمگین پرندہ کے مابین بڑی یکسانیت ہے، دونوں عشق کے مارے ہوئے ہیں، اور زمانۂ عشق ومحبت کی یادیں دونوں کو ستا اور تڑپا رہی ہیں، چنانچہ وہ کہتا ہے:

هل علم الطائر في أيكه
بأن قلبي للحمى طائر
ذكّرني عهد الصبا شجوه
وكل صب للصبا ذاكر
سقى عهوداً لهم بالحمى
دمع له ذكرهم ناثر

ترجمہ: کیا ایکہ کے پرندہ کو معلوم ہے کہ میرا دل منزل کی طرف کوچ کرنے والا ہے۔
اس کے غم نے مجھے میرا عہد عشق ووفا یاد دلا دیا، اور ہر عاشق اپنے زمانۂ محبت کو یاد ضرور کرتا ہے۔
اسی یاد نے وطن میں عاشقوں کے زمانوں کو آباد کر رکھا ہے، ان کی یادوں کے آنسو یہاں جگہ جگہ نقش ہیں۔

اپنے وطن اور اہل وعیال کا شوق وحنین اندلسی شعراء کا محبوب موضوع رہا ہے، وہ اپنے مالوف وطن میں جوانی کے ایام بہاراں گزار رہے تھے، پھر جب وہ وہاں سے جدا ہو گئے، اور جوانی کی خوبصورتی کو بڑھاپے کی سفید چادر نے اپنے اندر سمولیا، جس جوانی میں وہ اس کائنات کی خوبصورتی سے لطف اندوز ہوتے تھے، تو ان کو خوشی کے لمحات بہت زیادہ یاد آنے گے، اور اپنے وطن کا شوق وحنین ان کے رواں رواں میں انگڑائیاں لیتا اور وہاں کے کھنڈرات کی وحشت، محبوباؤں کے ہجر وفراق کی تلخی اور انس ومحبت کی سرزمین کی یادیں ان کے دل کی دنیا کو زیروزبر کر دیتیں، کتنے ایسے شعراء ہیں جو اپنے دل، دماغ اور جذبات واحساسات سے عشق ومحبت کی سرزمین میں اٹکھیلیوں کی تصویر کشی کرتے ہیں، ان کی روحیں اس کی طرف مائل ہو جاتی ہیں، اور ان کے دلوں میں شوقِ فراواں کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں، احباب ورفقاء شدت سے یاد آنے لگتے ہیں، اس لیے وہ اپنے اشعار میں بارہا موسم بہار کے بادلوں سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ان کھنڈرات، عشق ومحبت کے مقامات، دوشیزاؤں اور محبوباؤں کے سیر وتفریح کی جگہیں، حزن والم اور مسرت وشادمانی کے دیار کو سیراب کر دے تاکہ وہ برگ وبار لائیں، درخشانی وتابانی اور کیف وطرب کے خوب جلوے بکھیریں۔

یہ مشہور اندلسی شاعر ابن زیدون ہیں جو احباب ورفقاء کی جائے اجتماع، اپنے عشق ومحبت اور جوانی کی مانوس جگہ کے تئیں اپنے اشتیاق وحنین کی تصویر کشی کرتے ہیں، جب وہاں کی یادیں ان کے دل ودماغ پر سایہ فگن ہوتی تھیں، اور اپنے گھنیرے آنچل کو اس پر ڈال دیتی تھیں، وہ ان مقامات کو اپنا ہدیۂ سلام ومحبت بھیجتا ہے، جس میں حسرت وافسوس اور کسک وچبھن کی آمیزش ہے، ذیل کے اشعار میں وہ اپنے اشکوں کو آبدار موتی کی طرح سامنے لاتا ہے اور یوں گویا ہوتا ہے:

على الشغب الشهدي مني تحية

ذكــــت وعــلـــىٰ وادي الـــعــقيـــق ســـلام

ولا زال نَـــور فـــي الـــرصـــافة ضـــاحك

بـــأرجـــائهـــا يبــكــي عــليـــه غــمــــام

مــعـــاهـــد لهـــو لــم تــزل فــي ظــلالهـــا

تُـــدار عـــليـــــه لـــلـــمـــجـــون مـــدام

فـــان بـــان مـــنـــي عهـــدهـــا فبـــلـــوعة

يُشـــب لهـــا بيـــن الـــضـــلـــوع ضـــرام

تـــذكـــرت أيـــامـــي بهـــا فتبـــادرت

دمـــوع كـــمـــا خـــان الـــفـــريـــد نـــظـــام

ترجمہ:شہدی چشمۂ صافی کو میرا پرخلوص سلام،اور وادئ عقیق کو بھی میرا محبت بھرا سلام۔

رُصافہ میں کلیاں برابر مسکراتی رہیں،اس کے چپہ چپہ میں بادل رم جھم برستا رہے۔

لہوولعب کے مقامات،ان کے سایے میں مسلسل شرابِ مستی وطرب کے جام پیش کیے جاتے رہیں۔

اگرچہ مجھ سے اس کا زمانہ رخصت ہوگیا،مگر اس کی چبھن کی وجہ سے ہمارے پہلوؤں میں درد کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔

وہاں گزرے ہوئے لمحات نظروں میں سما گئے،اور اشک ہائے رنج والم رخسار پر اس موتی کی طرح ڈھلکنے لگے جیسے کہ اس موتی کو ہار سے الگ کر دیا گیا ہو۔

شوق وسرمستی سے آباد یادوں کا ایسا طوفان آیا جس نے شاعر کے دلوں میں حنین واشتیاق کے شعلے بھڑکا دیے،اور آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب بلاخیز جاری ہوگیا،ابن زیدون کے اشعار اس طرح کے حزن وکرب اور اپنے وطن اور ماضی کے حالات کے حنین و اشتیاق کے بارے میں بکثرت پائے جاتے ہیں،وہ اپنے خاص حالات کی وجہ سے حنین کی تجدیدی شاعری کو بڑے اونچے مقام تک لے گیا بلکہ اس کو اوجِ کمال پر پہونچا دیا۔

اکائی کا خلاصہ

اندلس کے تجدیدی وتوسیعی شعری فنون کا یہ مختصر سا جائزہ ہے،حالانکہ یہ موضوع اپنی اہمیت ومقبولیت کے اعتبار سے تشنہ ہے، مگر جس قدر راو پر تحریر کیا گیا،اس سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ اندلس کو مسلمانوں نے فتح کیا،وہاں اسلامی پرچم لہرایا،اور ظالم حکمراں کے استبدادی پنجہ سے وہاں کے باشندوں کو نجات دلائی،اور اپنی اسلامی خصوصیات کے ساتھ وہاں صدیوں حکومت کی،اور ہر طرح کی فارغ البالی اور سماوی وارضی نعمتوں سے دست قدرت نے اس سرزمین کو مالا مال کر دیا،آج بھی قرطبہ،غرناطہ،مرسیہ،اشبیلیہ،طلیطلہ اور بلنسیہ میں اس کے آثار ونقوش کھلی آنکھوں مشاہدہ کیے جاسکتے ہیں۔

اندلسی شعروشاعری اپنے اندر بڑی خصوصیات رکھتی ہے،مسلمانوں نے جس طرح ظاہری طور پراس جزیرہ کوترقی دی،اسی طرح علمی،ادبی،تمدنی اور ثقافتی اعتبار سے بھی اس کو اپنی عربی سخاوت اوراختراعی ذہنوں سے نیک نام کیا،آج اہل یورپ کی علمی و سائنسی ترقیاں اندلسی مسلمانوں کی ہی مرہون منت ہیں، چونکہ جب ساری دنیامیں اندلس کے چراغ روشن تھے،یورپ قرون مظلمہ میں سانسیں لے رہا تھا،عربوں نے ان کی دستگیری کی اور وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔

اندلسی شعراء کے ذریعہ جوتجدیدی شعری فنون سامنے آئے،وہ ان کی طبیعت، ماحول،ملک کے قدرتی وفطری حالات کے نتائج تھے،اس طرح انہوں نے عربی شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا جس سے لوگ اب تک تقریباًنا آشنا تھے،اور پھر پورے عالم اسلام حتی کہ پورے یورپ میں ان نئے شعری فنون کی تقلید کی گئی،اوراسی وزن،قافیہ اورردیف میں اشعار کہے گئےخواہ وہ اپنی زبان سے مسلمانوں کےعلمی وثقافتی احسانات کا ذکر نہ کریں۔

ایک اور پہلوکی طرف اس سے اشارہ ملتاہے کہ اندلس میں شعروشاعری کواس قدراس لیےفروغ ملاکہ وہاں کے امراءوخلفاء خوداس میں دلچسپی لیتے تھے،اوراہل علم وادب کی بڑی ہمت افزائی کرتے تھے،صرف شعروشاعری نہیں بلکہ علم تفسیر،علم حدیث،علم فقہ،علم تاریخ اورسائنس وغیرہ کوبھی اس دور میں بڑی ترقی ملی، یہاں چونکہ ہماراموضوع شعروشاعری اوروہ بھی تجدیدی شعری فنون ہے،اس لیےہم اسی پراکتفاءکرتے ہیں،امید ہے کہ اس سے خاطرخواہ فائدہ اٹھایا جاسکے گا۔

2رجنوری 1492ءکو جب غرناطہ پر ہلال کی جگہ صلیب سایہ فگن ہوگئی اوراندلس کا آخری مسلمان حکمراں ابوعبداللہ بوجھل و رنجوردل اور نڈھال ونزارقدموں کے ساتھ، اپنے اہل خانہ اور جاں نثار ہمراہیوں کے جلو میں ہمیشہ کے لیےغرناطہ کو چھوڑ کر چلا تو پتھریلے پہاڑی راستے پرگھوڑا بڑھاتے ہوئے مغلوب سلطان نے مڑ کرالحمراء پرایک نگاہِ واپسیں ڈالی جس کے درودیوار پر جابجا ”و لاغالب الا اللہ“ کانقش جگمگا رہا تھا۔یہی اندلس میں عربی شاعری کامقطع ہے۔

نمونے کےامتحانی سوالات

1- اندلس میں فن شاعری کی ترقی اوراس کی قدرو قیمت پرمختصر روشنی ڈالیے؟

2- موشحہ کےمشہورشعراءاوراس کی خاصیت قلمبند کیجیے؟

3- ابن زھراورابن قزمان کون ہیں؟

4- ابن زیدون اورابن خفاجہ کی شعری خصوصیات کیا ہیں؟

5- طبیعہ کےاشعاراندلس میں زیادہ کیوں وجود میں آئے؟

6- فن حنین وشوقِ وطن کے کیامحرکات وعوامل تھے؟

7- عبدالرحمٰن داخل کے چنداشعارمع ترجمہ تحریر کیجیے؟

8- اہل عرب کی زندگی میں عربی شاعری کی کیااہمیت تھی؟

9- فن از جال کے موضوعات اور ادوار کیا کیا ہیں؟

10- فن طبیعہ کی عموماً کیا شکلیں پائی جاتی تھیں؟

11- مؤرخین نے اندلس کے ادبی ادوار کی تقسیم کس طرح کی ہے؟

فرہنگ اکائی

الفاظ	:	معانی
الغيد	:	نازک حسینائیں
التنائي	:	باہمی قربت
التداني	:	باہمی فرقت
الطل	:	شبنم
السوار	:	کنگن
اللجين	:	چاندی
الورق	:	فاختائیں
الفريد	:	آبدار موتی

مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

1- تاريخ الأدب العربي،عصر الدو ل والامارات،الأندلس شوقي ضيف

2- الأدب الأندلسي من الفتح الى سقوط الخلافة أحمد هيكل

3- الموشحات والأزجال الأندلسية محمد عباسة

4- الأدب العربي في الأندلس عبد العزيز عتيق

5- دارالطراز في عمل الموشحات ابن سناء الملك

6- جيش التوشيح لسان الدين بن الخطيب

7- معالم تاريخ الأدب والأندلس حسين مؤنس

8- المقدمة ابن خلدون

9- تاريخ الأدب الاندلسي،عصر الطوائف والمرابطين احسان عبّاس